OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

تفسیر القرآن میں اخبارِ عامہ سے استشہاد

Citing general "Akhbar" in the interpretation of Quran

Dr. Azmat Jabeen
Visiting Teacher, Department of Arabic, International Islamic University, Islamabad.

Dr. Gulnaz Naeem
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Benazir Bhutto Shaheed University, Lyari Karachi.

Siraj Ahmed
M.Phil Scholar, Department of Usool-ud-Din, University of Karach.

Received on: 03-01-2026 Accepted on: 05-02-2026

Abstract

This article examines the phenomenon of citing general narratives and commonly circulated reports (Akhbār al-ʿĀmmah) in the interpretation of the Qur'an and analyses their impact on the classical exegetical tradition. The study argues that many Qur'anic commentators incorporated reports derived not only from Jewish and Christian traditions, commonly labelled as Isrā'īliyyāt, but also from widespread popular narratives that lacked authentic textual foundations. The article traces the historical development of such reports within Qur'anic exegesis and explains how they gradually entered the literature of tafsīr during the periods of the Tābiʿūn and later scholars. Particular attention is given to the role of commentators such as al-Thaʿlabī and al-Khāzin, whose works contain numerous legendary accounts, exaggerated stories, and weak narrations. Through analytical discussion and textual examples, the article demonstrates how these reports often contradicted Qur'anic principles, prophetic traditions, rational inquiry, and the doctrine of prophetic infallibility. The study further highlights the critical methodology adopted by scholars such as Ibn Kathīr and Rashīd Riḍā in evaluating such material. Ultimately, the article emphasises the necessity of a critical and scholarly approach towards non-authentic reports in Qur'anic interpretation in order to preserve the intellectual and theological integrity of tafsīr literature.

Keywords: Qur'anic Exegesis, Tafsīr Literature, Isrā'īliyyāt, General Narratives (Akhbār al-ʿĀmmah), Classical Tafsīr, Al-Thaʿlabī, Al-Khāzin, Weak Narrations, Qur'anic Stories, Islamic Intellectual Tradition.

تعارف

قرآن مجید کی تفسیر بالرائے میں دلچسپی لینے والے مفسرین میں سے بعض نے یہود و نصاریٰ سے سنی سنائی باتیں اور زبان زد عام باتیں بھی اپنی تفاسیر میں شامل کرر کھی ہیں۔ان کو عمومی طور پر "اسرائیلیات" اور "اخبار" سے موسوم کیا جاتا ہے۔مقالہ ہذا میں ان کو "عام اخبار" سے

موسوم کر کے ان کا تحقیقی نقطہ نظر سے مختصر مگر جامع جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مقالہ نگاران کا خیال ہے کہ اسرائیلیات سے مراد وہ باتیں ہیں جو یہود و نصاریٰ سے سن کر مفسرین نے قرآن مجید کی تفاسیر میں شامل کر رکھی ہیں لیکن ان کے علاوہ بعض ایسی باتیں بھی ہیں جن کے منابع و مآخذ یہود و نصاریٰ نہیں ہیں بلکہ وہ باتیں اسلامی معاشرے میں زبان زد عام رہی ہیں۔ بعض مفسرین کے ہاں ان کو بھی تفسیری ادب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ چنانچہ مسلمان اور یہود و نصاریٰ کی ان تمام باتوں کو جمع کیا جائے تو ان کے لیے عام اخبار کا اصطلاحی نام مناسب ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہود و نصاریٰ سے جو باتیں لی گئی ہیں وہ بھی سنی سنائی ہیں، ان میں بیشتر بائبل میں مذکور نہیں ہیں۔

علمِ تفسیر میں عام اخبار کی شمولیت

نزول قرآن کے بعد کچھ مدت تک اسلامی علوم باہم گڈ مڈ رہے تھے اور ان کے مابین تفریق و امتیاز کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں ہوا تھا۔ علم حدیث کی طرح دیگر علوم کو زبانی یاد رکھا جاتا تھا اور ان کو لکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی۔ مرور ایام کے ساتھ علوم میں ارتقاء اور نمو پیدا ہو اجس کے نتیجے میں نہ صرف علوم میں پختگی پیدا ہوئی بلکہ ان کے مابین خطِ امتیاز بھی کھینچا گیا۔ چنانچہ تمام علوم کے خدوخال نمایاں اور ظاہر ہونے لگے۔ ان کی الگ الگ شاخیں بن گئیں۔ اس طرح قرآن مجید کی تفسیر کو ایک مستقل اور علاحدہ علم کی شناخت حاصل ہوئی تھی۔ ابن الندیم کے مطابق اس کے بعد فراء نحوی نے قرآن مجید کی پہلی باقاعدہ تفسیر لکھی تھی[1]۔ ابن الندیم کے اس موقف کو قطعیت حاصل نہیں ہے کیونکہ ایسی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد مجاہد بن جبیر کو قرآن مجید کی مکمل تفسیر املا کروائی تھی[2]۔ امام طبری نے اپنی تفسیر میں صحابہ کرام اور تابعین کی تفسیری آراء کی ایک بڑی تعداد جمع کی ہے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، سعید بن جبیر، قتادہ، سدی، مقاتل بن سلیمان، عبدالرحمان بن زید اسلم، حسن بصری اور عکرمہ وغیرہ کے تفسیری اقوال و فرمودات اور افادات کا ذخیرہ شامل ہے۔

اس عہد کے بعض لوگوں نے من گھڑت روایات اور آراء کو علم تفسیر میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے مطابق اہل کتاب سے قصص کو سننے کے بعد اسناد کے بغیر ان کو قرآنی قصص کے ذیل میں بیان کیا جانے لگا۔ مثلاً بعض لوگوں نے اصحابِ کہف کے کتے کا نام اور اس کا حلیہ بیان کیا۔ بعض لوگوں نے اس کشتی کا نام بیان کیا جس کو حضرت خضر نے پھاڑا، اس بچے کا نام بھی بیان کیا جس کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا نقشہ بھی پیش کیا گیا اور یہ بھی بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا کس درخت کی لکڑی سے بنا تھا۔ چونکہ ان باتوں کا عملی زندگی میں کوئی فائدہ نہیں ہے لہذا قرآن مجید نے ان سے متعلق خاموشی اختیار کی ہے۔ ایسی بے سروپا باتیں تفسیری ادب میں اسرائیلیات کے نام سے پہچانی جاتی ہیں[3]۔

بعض لوگوں نے موضوع احادیث اور اکاذیب کو قرآنی تفسیر کا حصہ بنا دیا۔ اس نوعیت کی روایات قرآن مجید کے فضائل اور سورتوں کی خاصیات کے ابواب میں ملتی ہیں۔ جن لوگوں نے اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے پیروکار سرِ فہرست ہیں۔ اس شخص نے ظاہری اعتبار سے اسلام قبول کر لیا اور اہلِ بیت کی محبت کا دعویٰ کیا لیکن حقیقت میں وہ اسلام کی بیخ کنی کرنے میں مصروف

رہا تھا۔ بعض مسلمانوں کی جانب سے بھی کئی داعیات اور اسباب کی بناپر اس کارِ بد میں حصہ لیا گیا تھا۔ان میں "ابو عصمہ نوح بن ابی مریم" بھی شامل تھے۔انھوں نے قرآنی سورتوں کے فضائل میں سینکڑوں احادیث وضع کر کے لوگوں میں پھیلائیں[4]۔

ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ نوح بن مریم سے کسی نے پوچھا کہ تم نے قرآن مجید کی سورتوں کے فضائل سے متعلق جو روایات "عکرمہ عن ابن عباس" کی سند سے بیان کر رکھی ہیں، یہ روایات تمہیں کہاں سے ملی ہیں؟اس نے جواب دیا کہ میں نے روایات خود وضع کی ہیں کیونکہ میں نے دیکھا کہ لوگ ابن اسحاق کی "المغازی" اور امام ابو حنیفہ کی فقہ میں زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے ثواب کی نیت سے لوگوں کو قرآن مجید کی طرف راغب کرنے کے لیے یہ روایات وضع کرلی ہیں[5]۔

کرامیہ فرقے سے تعلق رکھنے والوں کا مؤقف تھا کہ ایسی احادیث وضع کرنا حرام ہے جن سے دین کو نقصان پہنچ رہا ہو۔ جن احادیث سے دین کا فائدہ مقصود ہو ان کو وضع کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اس فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اس کام کو کارِ خیر سمجھ کر کیا اور احادیث کی ایک بڑی تعداد وضع کر دی۔ان کا کہنا تھا کہ "من کذب علیٰ" والی وعید اگرچہ موجود ہے لیکن "من کذب لی" پر عمل کرنے والا شخص اس وعید کا مصداق نہیں بلکہ اس کے دائرے سے خارج ہے۔اس کے نتیجے میں کتبِ تفسیر میں موضوع روایات اور من گھڑت قصے شامل ہو گئے۔ یہ کام اس عہد میں زیادہ تھا جس عہد میں اسناد کو حذف کر کے اقوال و روایات کو بیان کرنے کا چلن عام تھا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد قصص بیان فرمائے ہیں اور ان کو "احسن القصص" سے موسوم کیا گیا ہے[6]۔ان میں سے بعض قصص کا تعلق سابقہ انبیاء کی دعوتی مساعی کے ساتھ ہے جب کہ بعض قصص غیر انبیاء و غیر رسُل کے بارے میں ہیں۔ان میں سے اصحابِ کہف، ذوالقرنین بادشاہ، کھنڈر اور بے آباد بستی کے پاس سے گزرنے والا وہ شخص جس نے حیرت و استعجاب سے کہا تھا کہ یہ بے آباد بستی کیونکر دوبارہ آباد ہو سکتی ہے؟اللہ تعالیٰ نے اس پر سو برس کے لیے گہری نیند طاری کر دی اور اسی دوران وہ بستی دوبارہ آباد ہو گئی[7]۔اس نوعیت کے متعدد قصے قرآن مجید اور بائبل، دونوں میں مذکور ہیں۔انبیاء کرام میں سے بعض کی سرگزشت بائبل اور قرآن میں کسی حد تک مماثل ہے البتہ اجمال اور تفصیل کا فرق موجود ہے۔ قرآن مجید نے انبیاء اور سابقہ امم کے قصص کے بیان کے وقت بائبل جیسا اسلوب اختیار نہیں کیا بلکہ ہر قصے کے صرف ان نکات پر توجہ دی گئی ہے جن کا تعلق عبرت اور نصیحت کے ساتھ ہے۔اس میں واقعات کی تواریخ، ایام اور مہینوں کا تعین نہیں کیا جاتا اور نہ ہی غیر ضروری تفصیلات و جزوی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔قرآن مجید ان شہروں کی جغرافیائی تفصیلات سے بھی آگاہ نہیں کرتا جن میں یہ قصے رونما ہوئے تھے۔قرآن مجید میں ان قصص میں مذکور افراد کے نام اور ان کی تفصیلی شناخت بھی بیان نہیں ہوئی ہے۔ایسی بے وجہ طوالت اور بال کی کھال اتانے والی روش قرآن مجید میں نہیں ہے۔اس کے اسلوب میں موضوع کے جوہر اور مغز پر توجہ ملتی ہے تاکہ قصے میں موجود عبرت اور نصیحت کے پہلو کو خصوصی طور پر اجاگر کیا جاسکے۔

اس ضمن میں آدم علیہ السلام کے قصے کو ایک کیس سٹڈی کے طور پر لیا جاسکتا ہے۔تورات کی کتاب پیدائش میں اس قصے کا ذکر ہے۔قرآن مجید میں بھی قصہ آدم مذکور ہے۔ سورت بقرہ اور سورت الاعراف میں مذکور قصہ آدم سے متعلقہ آیات پر تفکر و تدبر کیا جائے تو معلوم ہو گا

کہ قرآن مجید میں یہ بحث نہیں ملتی کہ آدم علیہ السلام کو جس جنت میں رکھا گیا تھا وہ جنت کہاں ہے، ان کو جس درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا وہ درخت کون سا تھا۔ جنت سے راندہ درگاہ ہونے کے بعد شیطان دوبارہ جنت میں کیسے داخل ہو گیا اور اس نے آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو کس طرح ورغلایا۔ ان چیزوں کے بارے میں بائبل میں تفصیلات ملتی ہیں۔ مثلاً بائبل کے مطابق شیطان نے سانپ کی شکل اختیار کی یا وہ سانپ کے منہ کے اندر بیٹھ گیا تھا۔ قرآن مجید میں اس خطہ ارضی کا نام مذکور نہیں ہے جس میں آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو اتارا گیا تھا اور جہاں انسان نے سب سے پہلے بود و باش اختیار کی تھی۔ اس نوعیت کی دیگر تفصیلات قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں۔

دوسری جانب بائبل کی کتاب پیدائش میں اس نوعیت کی تفصیلات ملتی ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ تفصیلات حقیقی سے زیادہ افسانوی ہیں۔ وہاں بتایا گیا ہے کہ جنت یعنی باغِ عدن زمین کے کسی مشرقی علاقے میں واقع تھا۔ آدم و زوجہ کو جس درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا وہ جنت کے عین وسط میں تھا۔ اس درخت کا نام "شجرِ حیات" تھا اور اس کا پھل کھانے والا خیر و شر کی تمیز کرنے کی صلاحیت و قابلیت پیدا کر لیتا تھا۔ جنت میں آدم و زوجہ کو بہکانے کے لیے شیطان سانپ کا روپ دھار کر آیا تھا۔ شیطان جس سانپ کی قینچلی اوڑھ کر جنت میں داخل ہوا، اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سزا ملی اور اس سزا کے نتیجے میں وہ اپنی ٹانگوں سے محروم ہو گیا۔ اس کے بعد سانپ کی تمام نسل رینگنے والے جانوروں میں شامل ہو گئی۔ شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے کی پاداش میں آدم و زوجہ کو نہ صرف جنت سے نکال دیا گیا بلکہ زوجہ کو یہ سزا دی گئی کہ وہ حمل ٹھہرنے کے بعد وضع حمل تک تکلیف میں رہے گی۔ یہ تکلیف اولاد آدم میں سے ہر ایک عورت کو وراثت میں ملی ہے۔ قصہ آدم سے متعلق بائبل میں اس کے علاوہ دیگر تفصیلات بھی مذکور ہیں۔ ان کے لیے بائبل کی "کتاب پیدائش" کا مطالعہ مفید رہے گا۔

صرف قصہ آدم و ابلیس ہی نہیں بلکہ وہ تمام قصص، جن کا قرآن مجید اور بائبل میں ذکر ہے، کے بارے میں بائبل غیر ضروری طوال اور تفصیلات پر مبنی چیزوں سے آگاہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ قرآن مجید نے ان قصص کے صرف منتخب حصوں کو بیان کیا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کا ذکر بائبل اور قرآن مجید دونوں میں ہے۔ قرآن مجید نے محض ان حصوں کو بیان کیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور امورِ فطرت پر اس کے کنٹرول کا سبق ہے۔ دوسری جانب بائبل میں مسیح علیہ السلام کا شجرہ نسب بیان کیا گیا ہے۔ اس جگہ کی خبر بھی دی گئی ہے جہاں آپ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ آپ علیہ السلام کی ولادت کی کیفیت کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔ انجیل متی کا باب اول انہی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

انسانی فطرت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جستجو میں رہتی ہے۔ علامہ اقبال نے اس کو انسان کا خاصہ قرار دے رکھا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان جب کسی واقعہ کے بارے میں جانتا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی تفصیلات و جزئیات کا احاطہ کرے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے بھی کعب الاحبار اور عبد اللہ بن سلام ایسے نو مسلم اہل کتاب کی طرف قرآنی قصص کی ان تفصیلات کو معلوم کرنے کے لیے رجوع کیا جن کے بارے میں بنی اسرائیل کی کتب مدد و معاون ہو سکتی تھیں۔ صحابہ کرام کا مقصد قرآنی قصص کی وضاحت معلوم کرنا تھا تاکہ قرآن مجید میں مذکور اجمالی باتوں کی تفصیلات کا پتہ چل سکے۔ صحابہ کرام قرآن و حدیث میں مذکور ان حدود سے تجاوز نہیں کرتے تھے جن کا تعلق اہل کتاب سے

اخذ روایت کے ساتھ تھا۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ :

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

"میری طرف سے (لوگوں کو) پہنچاؤ، چاہے ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔ اور بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے [8]۔"

بنی اسرائیل سے باتیں (لے کر آگے) بیان کر لو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

صحابہ کرام عام اخبار کو قرآن وحدیث میں گڈ مڈ نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے لیے جہنم کی وعید صادر فرما رکھی تھی جو احادیث وضع کرنے کے مرتکب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ :

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۖ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ

اور اہلِ کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ سے جو بہتر ہو، مگر ان لوگوں کے ساتھ جو ان میں سے ظالم ہوں، اور کہہ دو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا اور اس پر بھی جو تمہاری طرف اتارا گیا، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں [9]۔

چنانچہ صحابہ کرام جب کسی نومسلم اہل کتاب سے کچھ سنتے تو وہ صرف ان باتوں کی تصدیق کرتے تھے جو قرآن وحدیث کے ساتھ مماثل اور موافق ہوتی تھیں۔ جن باتوں کا قرآن وحدیث کے ساتھ تضاف، تخالف یا تعارض ہوتا، ان باتوں کو صحابہ کرام مسترد کر دیتے تھے۔ جن خبروں میں صدق اور کذب، دونوں کا احتمال ہوتا ان خبروں کی قطعیت کے ساتھ تصدیق یا تکذیب نہیں کی جاتی تھی۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ صحابہ کرام نومسلم اہل کتاب سے فضول سوالات نہیں پوچھتے تھے۔ وہ یہ نہیں پوچھتے تھے کہ اصحاب کہف کے کتے کا رنگ کیا تھا؟ بنی اسرائیل نے گائے کو ذبح کرنے کے بعد اس کے جسم کے کون سے حصے کے گوشت کو مقتول کی لاش کے ساتھ مس کیا تھا؟ نوح علیہ السلام کی کشتی کا حجم کیا تھا اور اس کو کون سی لکڑی سے تیار کیا گیا ہے تھا؟ حضرت خضر علیہ السلام نے جس نوعمر لڑکے کا قتل کیا تھا اس کا نام کیا تھا اور اس کے والدین کے نام کیا تھے؟ صحابہ کرام اس نوعیت کے سوالات نہیں پوچھتے تھے جن کا نتیجہ صرف تضیع اوقات کی صورت میں سامنے آتا تھا۔

مرورِ ایام کے ساتھ سوال پوچھنے والوں کے مزاج میں تبدیلی واقع ہوگئی اور پھر وہ احتیاط باقی نہ رہی جو عہد صحابہ میں ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ عہدِ تابعین میں عام اخبار کو تفاسیر میں جگہ ملنے لگی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی اس عہد میں اسلام عرب سے نکل کر دیگر ریاستوں اور ممالک میں پھیل گیا اور ان ممالک میں رہنے والے یہود ونصاریٰ کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔ سابقہ مسلمانوں نے ان سے قرآنی قصص کی تفصیلات دریافت کیں۔ اس کے نتیجے میں سابقہ اقوام کے قصص کے بارے میں قرآنی بیانات کی نئی توضیحات نئے مباحث میں شامل ہو

گئیں۔اس عہد کے بعض مفسرین کا خیال تھا کہ ماضی کی بعض تفاسیر میں ایسی کمیاں پائی جاتی ہیں جن کو یہود و نصاریٰ سے ملنے والی خبروں کے ذریعے پورا کیا جا سکتا ہے۔اس کے نتیجے میں کتبِ تفاسیر میں غیر مستند حکایات اور متناقص اخبارات کی بھرمار ہو گئی۔ جن لوگوں نے اس نوعیت کی اخبار کو تفسیر میں شامل کیا ان میں "مقاتل بن سلیمان" کا نام سرِ فہرست ہے۔ابن خلکان کے مطابق مقاتل سے متعلق "امام ابو حاتم "کا کہنا ہے کہ انھوں نے یہود و نصاریٰ سے قرآن مجید سے متعلق مواد اخذ کیا اور ان کی دینی کتابوں کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی کوشش کی[10]۔

عہدِ تابعین کے بعد عام اخبار کو پسند کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ اس عہد کی تفاسیر میں ان اخبار و قصص کی بہتات ملتی ہے جن کو عام اخبار سے اخذ کیا گیا تھا۔ بعض لوگوں میں لچک کا یہ عالم تھا کہ وہ اقوالِ شنیعہ کو بھی مسترد نہ کرتے تھے۔انھوں نے قرآن مجید کی تفہیم میں ان اخبار و روایات کو جوڑ دیا جن کو اوسط عقل بھی تسلیم نہیں کر سکتی لیکن وہاں ایسی باتوں کے ذریعے قرآن مجید کی تشریح و تفسیر مروج ہو گئی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد لکھی گئی تفاسیر میں سے اکثریت عام اخبار سے بھری ہوئی ہے اور ان میں بعض ایسی اخبار بھی منقول ہیں جو صریح طور پر اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور رسل کی عصمتوں پر حملہ آور ہیں۔ چنانچہ ردِ عمل کے طور پر لوگوں نے ان کتابوں کو پڑھنا چھوڑ دیا جس سے ان میں منقول درست روایات بھی مطالعہ میں نہ رہیں۔ان میں مذکور صحیح اقوالِ تفسیر کو بھی مشکوک سمجھا جانے لگا۔ یہ ایک ایسا نقصان تھا جس کی تلافی کے لیے سخت محنت اور تحقیق و تمحیص کی ضرورت تھی۔

ثعلبی اور خازن کی تفاسیر پر غیر مستند اخبار کے اثرات

جن تفاسیر میں عام اخبار سے منقول قصص اور حکایات کو شامل کیا گیا تھا ان میں ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری المعروف بہ "ثعلبی "کی تفسیر "الکشف والبیان عن تفسیر القرآن" سرفہرست ہے۔ان کے بعد علاءالدین ابوالحسن علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل شیحی بغدادی کی تفسیر "لباب التاویل فی معانی التنزیل" ہے۔ان کی تفاسیر میں عام اخبار کی ایک بڑی تعداد شامل ہے اور ان دونوں نے عام اخبار کو نقل کرنے کے بعد ان پر شاذ و نادر ہی نقد کیا ہے۔انھوں نے اُن روایات پر بھی نقد نہیں کیا ہے جن کی وجہ سے انبیاء کرام کی عصمت کے اسلامی عقیدے پر ضرب لگتی ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان دونوں علماء کو قصص میں دلچسپی تھی جس کی تشفی عام اخبار میں مذکور کہانیوں اور قصوں کے ذریعے ہوئی تھی۔اس کے لیے ان کو اسلام مخالف اور جھوٹی روایات کا سہارا لینے کے وقت بھی تامل محسوس نہیں ہوا تھا۔

ثعلبی ایک مجلسی واعظ اور عوامی خطیب تھے۔ عموماً پیشہ ور مقررین کی گفتگو اور ان کی تحریر میں قصص و واقعات کی کثرت ہوتی ہے۔ قصہ گوئی کے اس شوق کو ثعلبی نے اپنی کتاب "العرائس" میں بھی پورا کیا ہے۔ یہ کتاب انھوں نے انبیاء اور رسل کے قصوں کو جمع کرنے کی غرض سے تحریر کی تھی۔ دوسری جانب "خازن" اصل میں دمشق میں واقع "خانقاہ سمیساطیہ" کے کتب خانے کے نگران اور ذمہ دار تھے۔اس اعتبار سے ان کے نام کے ساتھ "خازن" بطور لاحقہ لکھا جاتا ہے۔ کتب خانہ میں مطالعہ کے دوران خازن کو مختلف تفاسیر کی وہ عبارات پسند

آئیں جن کو انھوں نے بعد میں اپنی تفسیر میں شامل کر لیا۔ان میں سے اکثر حکایات اور قصص کو عام اخبار سے اخذ کیا گیا تھا۔خازن نے اپنی تفسیر کے متعدد مقامات پر عام اخبار کو بغوی کی جانب منسوب کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بغوی سے متاثر تھے۔ایک صوفی منش مصنف ہونے کی بنا پر ثعلبی کی طرح ان کی تفسیر میں قصہ گوئی کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

مذکورہ دونوں تفاسیر میں منقول عام اخبار کو نقل کر کے ان کا تجزیہ کرنے کے لیے ایک ضخیم مقالہ یا کتاب کی تصنیف مطلوب ہو گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں تفاسیر میں متن قرآنی کے بعد سب سے زیادہ ملنے والی چیز عام اخبار ہیں۔

ثعلبی کی تفسیر میں عام اخبار کی مثالیں

ثعلبی کی تفسیر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام اخبار کے ضمن میں ان کی پسندیدگی اور ان کا تساہل مبالغے کی حد تک تھا۔وہ ایسی عام اخبار کو بھی نقل کرتے ہیں جو نہ صرف شرعی اعتبار سے اکاذیب میں شمار ہوتی ہیں بلکہ ان کا عقلی اعتبار سے حقیقت ہونا بھی محال ہے۔انھوں نے ان اخبار و قصص کو اس قدر بیان کیا ہے کہ ان کی طوالت کی بنا پر قاری اکتاہٹ محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے اور سننے والا بھی بوریت محسوس کرتا ہے۔توضیح مدعا کے لیے یہاں ایسی چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے جن سے یہ مقدمہ واضح ہو سکے۔

پہلی مثال: تابوتِ سکینہ

تابوتِ سکینہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جو موسیٰ اور ہارون کی اولاد چھوڑ گئی ہیں،اسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔یقیناً اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں ثعلبی لکھتے ہیں کہ:

"تابوت کا قصہ اور اس کے اوصاف جیسا کہ اہل تفسیر اور اصحابِ اخبار نے ذکر کیے ہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک تابوت حضرت آدمؑ پر نازل کیا تھا جس میں ذریت آدم میں سے انبیاء ورسل کی صورتیں بنی ہوئی تھیں اور اس میں تمام نبیوں کے نام پر خانے ترشے ہوئے تھے اور آخری خانے میں ایک سرخ یاقوت سے حضرت محمد ﷺ کا نام لکھا ہوا تھا۔آپ ﷺ کی تصویر اس طرح تھی کہ آپ حالت قیام میں رب سے مناجات کر رہے ہیں اور آپ کے دائیں جانب ایک ادھیڑ عمر کے فرمانبردار امتی موجود ہیں جن کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی امت میں سب سے پہلے آپ کا اتباع کریں گے۔یعنی وہ ابو بکرؓ تھے۔آپ ﷺ کے بائیں طرف عمر فاروقؓ کھڑے ہیں جن کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے کہ وہ فولادی سینگ کی طرح سخت ہیں اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی پرواہ نہیں کرتے،آپ ﷺ کے پیچھے حضرت

ذوالنورین عثمان بن عفانؓ کھڑے ہیں جن کی پیشانی پر لکھا ہے کہ وہ نیکوکاروں میں سے ایک ہیں۔ آپ ﷺ سے چند قدم آگے حضرت علیؓ بن ابی طالب شمشیر بہ کف کھڑے ہیں اور شانہ پر کمان لٹکی ہے اور پیشانی پر لکھا ہوا ہے کہ یہ محمد ﷺ کے بھائی اور چچازاد ہیں اور انہیں ہر حالت میں اللہ تعالی کی نصرت وتائید حاصل ہوگی۔ اس تابوت کی لمبائی چوڑائی تین بائی دو تھی۔ وہ صنوبر کی لکڑی سے بنا ہوا تھا جس سے عام طور پر شاہی کنگھیاں بنائی جاتی ہیں۔ اوپری سطح پر سونے کا کام ہوا تھا۔ یہ حضرت آدم کی وفات تک ان کے پاس رہا، اس کے بعد شیث علیہ السلام کے قبضے میں آگیا اور پھر نسل در نسل اولادِ آدم کے پاس رہا۔۔۔۔۔۔الخ[12]۔

علامہ محمد رشید رضا نے تفسیر المنار میں اس تابوت کے بارے میں تفصیلات "کتاب خروج" کے حوالے سے پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہاں بائبل کا حوالہ دینے سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ اہل کتاب کے مطابق تابوت کی حقیقت قارئین کے سامنے مترشح ہو سکے۔ متعدد تفاسیر اور قصص کی کتابوں میں اس کے بارے میں عجیب وغریب اقوال منقول ہیں۔ مثلا یہ تابوت جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اتار گیا تھا۔ اس نوعیت کے اقوال کا مصدر ومنبع وہی روایات ہیں جو یہود نے پھیلائی ہیں۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کی تفاسیر میں زیادہ سے زیادہ اکاذیب کو داخل کیا جائے۔ ان کا دوسرا مقصد مسلمانوں کے لیے گمراہی کا سامان کرنا اور اپنے لوگوں میں موجود اسلام کے بارے میں رغبت کو کم کرنا تھا۔ اس کے علاوہ ان کا مقصد قرآن مجید کے بارے میں اعتراضات کا انبار لگانا بھی تھا[13]۔

دوسری مثال: نوح علیہ السلام کی کشتی میں جوڑوں کی سواری

اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور اُبل پڑا تو ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو (نر اور مادہ) سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی، سوائے ان کے جن کے بارے میں پہلے ہی حکم ہو چکا ہے، اور ان کو بھی جو ایمان لائے ہیں، اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے[14]۔

اس کے تحت ثعلبی لکھتے ہیں کہ:

"محمد بن کعب، ابن جریج، حکم بن عتیبہ اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس کشتی میں نوح علیہ السلام، ان کی بیوی، تین لڑکوں (سام، یافث اور حام) اور ان کی بیویوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ یعنی کشتی مین صرف آٹھ لوگ تھے۔ حام نے کشتی میں ہی اپنی بیوی سے جنسی تعلق قائم کیا تو نوح علیہ السلام نے ناراض ہو کر اس کو بد دعا دی جس سے ان کا نطفہ تبدیل ہو گیا۔ چنانچہ اس کی نسل سے سیاہ فام لوگ پیدا ہوئے[15]"۔

یہ من گھڑت مسموعی خبر ہے۔ ابن کثیر[16] کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس قرآنی آیت کے ساتھ متعارض ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی میں اہل ایمان کی ایک جماعت تھی۔ اسی لیے نوح علیہ السلام کے الفاظ تھے کہ:

فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

پس تو میرے اور ان کے درمیان کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھ کے ایمان والوں کو نجات دے[17]۔

تیسری مثال: اصحاب کہف کا کتا

سورت کہف میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا

جب وہ چند نوجوان غار میں جا بیٹھے اور کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے اس کام میں ہمارے لیے راہِ راست مہیا فرما[18]۔

اس کے تحت ثعلبی نے بعض راویوں کے واسطے سے ایک عجیب و غریب اور طویل داستان درج کر رکھی ہے۔ اس میں اصحاب کہف کے اسماء کے ساتھ ساتھ ان کے کتے کا نام بھی شامل ہے۔ اس داستان کا عجیب و غریب حصہ وہ ہے جس میں ثعلبی نے اصحاب کہف اور ان کے مابین ہونے والی گفتگو بھی درج کی ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ جب یہ نوجوان بہ ارادہِ ہجرت اپنے شہر سے نکل کر چلے تو ایک کتا ان کے پیچھے چل دیا۔ انہوں نے کتے کو بھگانا چاہا تو اس نے انسانی بولی میں بولنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد روایت کا عجیب ترین حصہ وہ ہے جہاں لکھا ہے کہ ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ آپ کو اصحابِ کہف کا دیدار کرایا جائے۔ مگر جواب دیا گیا کہ دارِ فانی میں تو ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ تاہم آپ ﷺ چاہیں تو اپنے چار صحابہ کرام نامزد کر دیں جنہیں اصحابِ کہف کے پاس بھیج دیا جائے اور یہ لوگ آپ ﷺ کا پیغام ان نوجوانوں تک پہنچا دیں۔ یہ روایت نقل کرتے ہوئے ثعلبیؒ بیان کرتے ہیں کہ ان نوجوانوں کے نام بالترتیب مکسلمینا، ملیخا، مکثبیثا، مرطوش، نواش، لونوایش، کیدسطنوس اور کتے کا نام قطمیر تھا۔ جب یہ لوگ غار میں داخل ہوئے تو انہوں نے یہ الفاظ کہے تھے: "یا حیوم، یا قیوم، ایوم طاسوم"۔ ثعلبیؒ آگے لکھتے ہیں کہ جناب کعب الاحبار فرماتے تھے کہ وہ لوگ ایک کتے کے پاس سے گزرے تھے جس نے انہیں دیکھ کر کئی بار بھونکا۔ انہوں نے دھتکار کر چپ کرانا چاہا مگر وہ چپ نہ ہوا، بلکہ انسانوں کی طرح اپنے دونوں پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا اور اگلے پیروں کو ہاتھوں کی طرح آسمان کی طرف بلند کر دیا، ویسے ہی جیسے دعا مانگنے والا دعا مانگتا ہے، اور انسانوں کی طرح بولنے لگا۔ اس نے کہا: "مجھ سے ڈرو مت، میں اللہ کے پسندیدہ بندوں میں سے ایک ہوں۔ تم لوگ آرام سے سو جاؤ، میں غار کے دروازے پر بیٹھ کر تمہاری رکھوالی کروں گا۔" پھر بہت سی تفصیلات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے دعا مانگی تھی کہ آپ کو ان کا دیدار کرا دیا جائے تو جواب دیا گیا کہ دارِ دنیا میں آپ انہیں نہیں دیکھ سکتے، تاہم اپنے چار بہترین ساتھیوں کو ان کے پاس بھیج دیجیے تاکہ وہ آپ کا پیغام ان تک پہنچا دیں اور انہیں آپ پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ آپ نے متعجب ہو کر حضرت جبریل سے عرض کیا کہ میں انہیں ان کے پاس کیسے بھیج سکتا ہوں؟ تو حضرت جبریل نے جواب دیا: آپ اپنی چادر بچھائیے اور اس کے چاروں کناروں پر بالترتیب ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کو بٹھا دیجیے اور پھر تیز و تند ہوا جو کسی زمانے میں حضرت سلیمانؑ کے

لیے مسخر کی گئی تھی اسے آواز دیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کی بات ماننے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت جبریل کی ہدایت کے مطابق عمل کیا، اور تیز و تند ہوا ان چاروں صحابہ کو لے کر اڑی اور کہف کے دروازے تک انہیں پہنچا دیا۔ ان لوگوں نے اس غار کا ایک پتھر کھسکایا ہی تھا کہ کتے نے ان پر حملہ کر دیا، مگر جیسے ہی قریب آکر انہیں دیکھا تو سر ہلانے لگا اور آنکھیں محبت بھرے انداز میں نیچی کر لیں۔ پھر کتے نے سر کے اشارے سے انہیں بتایا کہ وہ غار کے اندر جا سکتے ہیں۔ یہ چاروں غار میں داخل ہوئے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ اتنا کہتے ہی اللہ تعالیٰ نے نوجوانانِ کہف کی روحیں واپس ان کے جسموں میں ڈال دیں اور وہ سب یک لخت اٹھ کر بیٹھ گئے اور وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر جواب دیا۔ حضراتِ صحابہ نے عرض کیا کہ اے نوجوانو، محمد بن عبداللہ خاتم الانبیاء والرسل ﷺ تمہیں سلام کہتے ہیں۔ انہوں نے بیک آواز سلام کا جواب دیا کہ محمد رسول اللہ پر اس وقت تک سلامتی ہو جب تک زمین و آسمان موجود ہیں اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ اس کے بعد ان لوگوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ کو ہمارا سلام پہنچا دینا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بستر پکڑے اور آنکھیں موند کر موت کی نیند سو گئے [19]۔"

مسلمان مفسر کے لیے یہ بات باعث تعجب ہونی چاہیے تھی کہ اس قصے میں نبی اکرم ﷺ پر صریحا جھوٹ باندھا گیا ہے لیکن ثعلبی اس کو اطمینان اور شرح و بسط کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد اس قصے پر تنقید کرنے سے کلی گریز کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مطابق یہ روایت صحت و استناد کی حامل ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ایک من گھڑت اور جھوٹی روایت ہے جس کے جعلی اور مصنوعی ہونے کے لیے کسی وضاحت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ ہر گز غیر سنجیدہ نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی گفتگو کریں اور اصحاب کہف کے دیدار کے لیے فرمائش فرمائیں۔ اگر بہ فرض محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ ﷺ نے واقعی ایسی کوئی دعا فرمائی تھی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ جواب نہ آسکتا تھا کہ آپ ﷺ کے لیے اصحاب کہف کا دیدار ممکن نہیں ہے البتہ آپ کے صحابہ کے لیے ممکن ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی اکرم ﷺ کی وقعت اتنی کم تھی کہ آپ ﷺ کی چھوٹی کی آرزو بھی پوری نہ ہو سکتی تھی اور آپ ﷺ کے صحابہ کی یہ آرزو بن مانگے پوری ہو سکتی تھی؟ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جن چار صحابہ کو اس کام کے لیے بھیجا گیا وہ چاروں آگے جا کر خلافت راشدہ کے منصب پر کیونکر فائز ہوئے تھے؟ اس میں کذب و دجل کا تاثر واضح ہے۔ نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جس ہوا کو مسخر کیا گیا تھا، اس قصے کے مطابق وہ نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی مسخر کر دی گئی تھی۔ حالانکہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں سلیمان علیہ السلام کی مندرجہ ذیل دعا مذکور ہے:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِيۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۔ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ

کہنے لگے اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو، یقیناً تو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو اس کے تابع کر دیا جو اس کے حکم سے نرم رفتاری کے ساتھ جہاں وہ چاہتا چلتی تھی [20]۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"ایک سرکش جن کل رات میرے سامنے آگیا تاکہ میری نماز خراب کردے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دے دی اور میں نے اسے پکڑ لیا۔ پھر میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں کہ تم سب لوگ بھی دیکھ سکو۔ لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی کہ یااللہ! مجھے ایسی سلطنت دے جو میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو۔ اس لیے میں نے اسے نامراد واپس کردیا[21]۔

ان شواہد و قرائن کی روشنی میں مذکورہ عجیب و غریب روایت بے بنیاد، بے اصل اور تردید کے لائق ہے۔ ثعلبی اپنی تفسیر میں دیگر مفسرین پر متعدد تنقیدات پیش کرتے ہیں۔ ان کو یہ خیال ضرور آنا چاہیے تھا کہ مستقبل کے مفسرین بھی ثعلبی کے اس تساہل پر ضرور تنقید کریں گے[22]۔

خازن کی تفسیر میں عام اخبار کی مثالیں

خازن پیشے کے اعتبار سے واعظ اور مزاج کے اعتبار سے صوفی تھے۔ ان کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ثعلبی کی طرح داستان سرائی اور قصہ گوئی کے شوقین تھے[23]۔ وہ ایسی کتب تفسیر سے متاثر نظر آتے ہیں جن میں سماعی روایات و قصص اور واقعات و داستان کی جانب زیادہ رجحان ہے۔ چنانچہ انھوں نے تفسیر بغوی کو اپنی تفسیر میں واقعات کے نقل کا مرجع بنا رکھا ہے حالانکہ تفسیر بغوی پر علماء کی جانب سے عام اخبار کی وجہ سے سخت تنقید ملتی ہے۔ خازن نے محض بغوی سے عام اخبار کو نقل ہی نہیں کیا بلکہ انھوں نے بغوی کی منقول مہمل اور خلاف عقل اخبار کو لکھنے کے بعد، جہاں خلا محسوس ہوا وہاں اس خلا کو پر کرنے کے لیے ثعلبی کی تفسیر سے داستانوں اور اخبار کو لے لیا۔ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے مطابق:

"ہر وہ چیز جس میں نقلِ روایت کے ضمن میں عیب ہے، وہ ان کے ہاں پہنچ کر ہنر کی صورت اختیار کر لیتی ہے[24]"۔

خازن کے ہاں عام اخبار میں مبالغے کی حد تک دلچسپی کے مذکورہ مقدمے کی توضیح کے ضمن میں یہاں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی مثال: اصحاب کہف کا کتا اور بلعم بن عابور کی گدھی

اصحابِ کہف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا

اور تو انہیں جاگتے ہوئے گمان کرتا حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے، اور ہم انہیں دائیں اور بائیں کروٹ دلواتے رہتے تھے، اور ان کا کتا اپنے دونوں بازو دہلیز پر پھیلائے ہوئے تھا۔ اگر تم انہیں جھانک کر دیکھ لیتے تو یقیناً الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور ان سے تم پر دہشت طاری ہو جاتی[25]۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسر خازن لکھتے ہیں کہ ابن عباس نے اصحاب کہف کے کتے کا رنگ چمکیلا بتایا ہے۔ اس کا حجم قلطی کتے سے زیادہ اور کرزی کتے سے کم تھا۔ قلطی کتا چین میں پایا جاتا ہے۔ اصحاب کہف کے کتے کی رنگت چٹکیلی زرد بھی بتائی گئی ہے جو سرخی مائل ہوتی ہے۔ ابن

عباس نے اس کا نام قطمیر جب کہ بعض لوگوں نے اس کا نام ریان اور صہبان بھی بتایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جنت میں دنیا کا کوئی جانور نہ ہو گا البتہ اصحاب کہف کا کتا اور بلعم بن باعور کی گدھی، دونوں جنت میں ہوں گے [26]۔

خازن نے بغیر کسی سند کے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بلعم بن عابور کا واقعہ منسوب کیا ہے جو درج ذیل ہے:

"جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے **جبّارین** سے جنگ کا ارادہ کیا اور سرزمینِ شام میں نزول فرمایا تو بلعم بن باعوراء کی قوم اس کے پاس آئی اور اس سے کہنے لگی کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت تیز مزاج ہیں اور اُن کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے، وہ یہاں اس لئے آئے ہیں تا کہ ہم سے جنگ کریں اور ہمیں ہمارے شہروں سے نکال کر ہمارے بجائے بنی اسرائیل کو اس سرزمین میں آباد کریں، تیرے پاس اسمِ اعظم ہے اور تم ایسے شخص ہو کہ تمہاری ہر دعا قبول ہوتی ہے، تم نکلو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اُنہیں یہاں سے بھگا دے۔ قوم کی بات سن کر بلعم نے کہا: افسوس ہے تم پر! حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اُن کے ساتھ فرشتے اور ایمان دار لوگ ہیں، اس لئے میں اُن کے خلاف کیسے بد دعا کر سکتا ہوں! مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم ملا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ایسا کیا تو میری دنیا و آخرت برباد ہو جائے گی۔ قوم نے جب گریہ وزاری کے ساتھ مسلسل اصرار کیا تو بلعم نے کہا: اچھا! میں پہلے اپنے رب کی مرضی معلوم کر لوں۔ بلعم کا یہی طریقہ تھا کہ جب کبھی کوئی دعا کرتا تو پہلے مرضیٔ الٰہی معلوم کر لیتا اور خواب میں اس کا جواب مل جاتا، چنانچہ اس مرتبہ اس کو یہ جواب ملا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کے خلاف دعا نہ کرنا۔ چنانچہ اُس نے قوم سے کہہ دیا کہ "میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی تھی مگر میرے رب نے اُن کے خلاف بد دعا کرنے کی ممانعت فرما دی ہے۔ پھر اس کی قوم نے اسے ہدیئے اور نذرانے دیئے جنہیں اُس نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد قوم نے دوبارہ اس سے بد دعا کرنے کی درخواست کی تو دوسری مرتبہ بلعم نے رب تبارک وتعالیٰ سے اجازت چاہی۔ اب کی بار اس کا کچھ جواب نہ ملا تو اُس نے قوم سے کہہ دیا کہ "مجھے اس مرتبہ کچھ جواب ہی نہیں ملا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ "اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوتا تو وہ پہلے کی طرح دوبارہ بھی صاف منع فرما دیتا، پھر قوم نے اور بھی زیادہ اصرار کیا حتّٰی کہ وہ ان کی باتوں میں آگیا۔ چنانچہ بلعم بن باعوراء اپنی گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوا۔ گدھی نے اسے کئی مرتبہ گرایا اور وہ پھر سوار ہو جاتا حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے گدھی نے اس سے کلام کیا اور کہا: افسوس! اے بلعم! کہاں جا رہے ہو؟ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ فرشتے مجھے جانے سے روک رہے ہیں۔ (شرم کرو) کیا تم اللہ تعالیٰ کے نبی اور فرشتوں کے خلاف بد دعا کرنے جا رہے ہو؟ بلعم پھر بھی باز نہ آیا اور آخر کار وہ بد دعا کرنے کے لئے اپنی قوم کے ساتھ پہاڑ پر چڑھا۔ اب بلعم جو بد دعا کرتا اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو اس کی قوم کی طرف پھیر دیتا تھا اور اپنی قوم کے لئے جو دعائے خیر کرتا تھا تو بجائے قوم کے بنی اسرائیل کا نام اُس کی زبان پر آتا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کی قوم نے کہا: اے بلعم! تو یہ کیا کر رہا ہے؟ بنی اسرائیل کیلئے دعا اور ہمارے لئے بد دعا کیوں کر رہا ہے؟ بلعم نے کہا: "یہ میرے اختیار کی بات نہیں، میری زبان میرے قبضہ میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت مجھ پر غالب آگئی ہے۔ اتنا کہنے کے بعد اس کی زبان نکل کر اس کے سینے پر لٹک گئی۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: میری تو دنیا و آخرت دونوں برباد ہو گئیں، اب میں تمہیں ان کے خلاف ایک تدبیر بتاتا ہوں "تم حسین و جمیل عورتوں کو بنا سنوار کر ان کے

لشکر میں بھیج دو، اگر ان میں سے ایک شخص نے بھی بدکاری کرلی تو تمہارا کام بن جائے گا کیونکہ جو قوم زنا کرے اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوتا ہے اور اسے کامیاب نہیں ہونے دیتا، چنانچہ بلعم کی قوم نے اسی طرح کیا، جب عورتیں بن سنور کر لشکر میں پہنچیں تو ایک کنعانی عورت بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس سے گزری تو وہ اپنے حسن وجمال کی وجہ سے اسے پسند آگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود اس سردار نے اس عورت کے ساتھ بدکاری کی، اس کی پاداش میں اسی وقت بنی اسرائیل پر طاعون مُسلَّط کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشیر، اس وقت وہاں موجود نہ تھا جب وہ آیا تو اس نے بدکاری کا قصہ معلوم ہونے کے بعد مرد وعورت دونوں کو قتل کر دیا۔ تب طاعون کا عذاب ان سے اٹھالیا گیا، لیکن اس دوران ستر ہزار اسرائیلی طاعون سے ہلاک ہو چکے تھے۔ اس آیت میں اس کا بیان ہے [27]۔

مذکورہ آیت میں نہ تو بلعم بن عابور کا ذکر ہے اور نہ اس کی گدھی کا، نہ ہی اصحاب کہف کے کتے کے رنگ کا ذکر ہے اور نہ اس کی جسمانی ساخت کا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر ضروری معلومات ہیں۔ ان کا انسانی ہدایت کے امور کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن خازن اور بغوی نے ان تفصیلات میں جانا ضروری سمجھا حالانکہ ان تفصیلات کا مصدر وماخذ قابل اعتماد نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا گیا ہے لیکن کوئی سند پیش نہیں کی گئی ہے۔ اسی لیے ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اصحاب کہف کے کتے کی رنگت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف پر بحث کرنے کا کوئی حاصل نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ یہ ان باتوں میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے غور وخوض کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ضمن میں جو کچھ کہا جائے گا وہ ظن وتخمین کی بنیاد پر کہا جائے گا [28]۔

دوسری مثال: سلیمان علیہ السلام اور چیونٹیوں کی گفت وشنید

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

حَتَّىٰٓ إِذَآ أَتَوۡاْ عَلَىٰ وَادِ ٱلنَّمۡلِ قَالَتۡ نَمۡلَةٞ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّمۡلُ ٱدۡخُلُواْ مَسَٰكِنَكُمۡ لَا يَحۡطِمَنَّكُمۡ سُلَيۡمَٰنُ وَجُنُودُهُۥ وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُونَ

یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں روند ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو [29]۔

اس کی تفسیر میں خازن نے لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام چلتے چلتے چیونٹیوں کی جس وادی میں پہنچے وہ طائف میں کسی جگہ واقع تھی۔ یہ کعب الاحبار کا قول ہے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ وادی شام میں تھی۔ تیسرے قول کے مطابق یہ جنات کی وادی تھی اور اس کا نام وادی نمل تھا۔ چوتھے قول کے مطابق اس وادی میں موجود چیونٹیوں کی جسامت بھیڑیوں کے برابر تھی۔ پانچویں قول کے مطابق یہ چونٹیاں اپنے حجم کے اعتبار سے نو بختی اونٹوں کے برابر ہوتی تھیں۔ ان تمام اقوال کے برعکس مشہور یہی ہے کہ اس سے مراد عام چیونٹیاں ہیں۔ جس چیونٹی نے چیخ وپکار کر کے اپنی قوم کو سلیمان علیہ السلام کی آمد کی خبر دی تھی وہ دو پروں والی اور ٹانگوں سے لنگڑی تھی۔ ایک قول میں اس چیونٹی کا نام صاحیہ جب کہ دوسرے قول میں اس کا نام جرسا بتایا جاتا ہے [30]۔

اس ضمن میں دیگر اخبار بھی کتب تفسیر میں ملتی ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہب نے بتایا ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ اس وادی سے گزرے، اس وقت وہ اڑنے والے قالین پر سوار تھے۔ چیونٹیوں کی وادی طائف میں کسی جگہ تھی اور اس چیونٹی کا نام جرسا تھا۔ اس کا تعلق جس قبیلے سے تھا اس کا نام "شیصان" تھا۔ اپنے قد اور حجم میں یہ چیونٹی بھیڑیے کے برابر تھی البتہ ایک ٹانگ سے لنگڑی تھی۔ اس کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں کہ :

"ہمارے نزدیک یہ تمام باتیں فضول اور محل نظر ہیں[31]"۔

تیسری مثال: سلیمان علیہ السلام کی وفات

سورت سبا میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی وفات کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ :

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ

پس جب اس پر موت کا وقت آ پہنچا تو زمین کی ایک جانور ہی نے انہیں اس کی موت کی خبر دی، جو اس کے جسم کی باقیات کھا رہی تھی[32]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے وقت وہاں موجود جنات اور دیگر خادمین کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ پھر ان کی لاٹھی کو دیمک نے کھایا تو معلوم ہوا۔

اس کی تفسیر میں خازن نے لکھا ہے کہ :

"علماء کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کبھی سال دو سال کے لیے اور کبھی ماہ دو ماہ کے لیے، اور کبھی اس سے کم یا زیادہ مدت کے لیے بیت المقدس میں معتکف ہو جاتے تھے۔ وہ جب بیت المقدس میں اعتکاف کے لیے داخل ہوتے تھے تو ساتھ ہی اپنے کھانے پینے کا سامان بھی لے جاتے تھے۔ انتقال کے وقت بھی وہ اسی طرح اعتکاف میں تھے۔ اس کا ماجرا یہ ہوا کہ بیت المقدس میں ان کی محراب عبادت کے سامنے ہر روز کوئی پودا اگتا تھا اور وہ اس سے اس کا نام پوچھتے تھے اور کس کام آتا ہے یہ پوچھتے تھے، اور پھر اسے اکھڑوا کر کسی مناسب جگہ لگوا دیتے تھے۔ اگر وہ پھل اور غلے کے لیے ہوتا تو اس کام کے لیے لگوا دیتے اور دوا کے لیے ہوتا تو عطاروں کے حوالے کر دیتے. یہاں تک کہ خروبہ نامی پودا اگ آیا۔ انہوں نے نام پوچھا تو پتہ چلا کہ خروبہ ہے۔ کام پوچھا تو اس نے کہا کہ میں آپ کی مسجد کی خرابی و بربادی کے لیے اگا ہوں۔ اس پر حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ میرے زندہ رہتے تو اللہ اس عبادت خانے کو تباہ نہیں ہونے دے گا، تاہم یہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری وجہ سے اب میری ہلاکت ہو اور بیت المقدس تباہ ہو جائے۔ بہر حال انہوں نے یہ پودا اکھاڑا اور اسے ایک باغ میں لگا دیا۔ پھر دعا مانگی کہ اے اللہ، جنوں کے اوپر میری موت کا معاملہ پوشیدہ رکھیو، تاکہ انسان جان لیں کہ جنوں کو بھی علم غیب حاصل نہیں ہے۔ دراصل اس زمانے میں شیاطین جن لوگوں کو فریب دیتے تھے کہ وہ غیب داں ہیں۔

خازن لکھتے ہیں کہ یہ دعا مانگ کر حضرت سلیمانؑ محراب میں چلے گئے اور معمول کے مطابق لاٹھی پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنے لگے اور حالت قیام میں ہی روح پرواز کر گئی۔ ان کی محراب میں آگے اور پیچھے روشن دان تھے۔ چنانچہ جنات وہ تمام اعمال شاقہ کرتے رہے جو ان کی حیات میں

کرتے تھے اور جب روشن دان سے جھانکتے تھے تو سمجھتے تھے کہ حضرت سلیمانؑ زندہ ہیں اور مصروف عبادت ہیں۔انہیں یہ بات عجیب نہ لگتی تھی کہ وہ اتنے دن تک اندر کیوں ہیں کیونکہ اس سے پہلے وہ ان کی لمبی نمازوں اور اعتکافوں کو دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ جنات اسی طرح ایک سال تک سخت محنت و مشقت کے کام کرتے رہے یہاں تک کہ دیمک نے حضرت سلیمانؑ کی لاٹھی کو کھالیا اور ان کا جسد مبارک نیچے آرہا۔اس وقت جنات کو علم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ وفات پا چکے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے تھے: "اس کے بعد جنوں نے دیمک کا خوب شکریہ ادا کیا اور وہی آج بھی لکڑی کے پیٹ میں دیمک کے لیے پانی اور غذا فراہم کرتے ہیں[33]۔

خازن کی پیش کردہ یہ تمام تفصیلات ان اخبار پر مبنی ہیں جن کا کوئی قابل اعتماد ماخذ نہیں ہے لہذا ان کو قطعیت کے ساتھ نہ قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ مسترد کیا جا سکتا ہے۔اسی لیے ابن کثیر فیصلہ کن انداز میں لکھتے ہیں کہ :

"یہ سب اسرائیلی روایتیں ہیں جن کی تکذیب یا تصدیق کے ہم مکلف نہیں بنائے گئے ہیں[34]"۔

چوتھی مثال: ایوب علیہ السلام کی گستاخی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

وَوَهَبْنَا لَهُۥٓ إِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِۦ دَاوُۥدَ وَسُلَيْمَٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَٰرُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلْمُحْسِنِينَ ـ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ

اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے، ہر ایک کو ہدایت دی، اور نبی نوح کو ہم نے پہلے ہدایت دی، اور اس کی نسل میں داؤود، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون بھی تھے۔اسی طرح ہم نیکوں کو ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دیتے ہیں۔اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس بھی تھے، سب نیک اور صالح تھے[35]۔

اس کی تفسیر میں خازن نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بعض ایسے واقعات پیش کیے ہیں جن میں شریعت کے اصول سے انحراف و نکارت پایا جاتا ہے۔ان کے مطابق ایوب علیہ السلام کا تعلق روم سے تھا اور آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ان کا نسب "ایوب بن اموص بن تارخ بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم" تھا۔ان کی والدہ کا تعلق لوط بن ہاران کی نسل سے تھا۔ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت، دولت، زمین، جائیداد اور مال و مویشی سے نوازا ہوا تھا۔ان کی ملکیت میں خوارزم سے متصل شام کا علاقہ، اس کے پہاڑ اور وادیاں تھیں۔اس عہد میں مال و متاع میں اونٹ، بکری، گائے، خچر اور گھوڑے وغیرہ شمار ہوتے تھے۔کثرت مال میں ایوب علیہ السلام کا کوئی ثانی نہ تھا۔ان کی قابل کاشت زمین پانچ سو فدان تھی جس میں پانچ سو غلام کام کرتے تھے۔ان غلاموں میں سے بھی ہر ایک کے پاس ایک بیوی، متعدد بچے اور ضرورت کے مطابق مال و اسباب موجود تھے۔ہر فدان کی پیداوار گدھیوں پر لاد کر ان کے پاس لائی جاتی تھی جس میں سے ہر گدھی کے بھی متعدد بچے ہوتے تھے۔ایوب علیہ السلام کے پاس محض غلام اور لونڈیاں ہی نہیں بلکہ ازواج و اولاد بھی تھے۔اس مال و متاع کے باوجود وہ ایک عبادت گزار اور نیک انسان تھے۔مساکین اور بھوکوں کے لیے ان کا در ہمیشہ کھلا رہتا، یتیموں اور بیوہ خواتین کی سرپرستی فرماتے، مسافروں اور

مہمانوں کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں ایوب علیہ السلام کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے تھے۔ جس طرح شیطان کا دیگر اغنیاء پر بس چلتا تھا، اس طرح ایوب علیہ اسلام پر نہیں چلتا تھا، وہ دیگر اغنیاء کو دولت و ثروت کے نشے میں مبتلا کر کے اللہ تعالٰی کے ذکر سے غافل کر دیتا تھا۔ اس عہد میں ابلیس کو آسمانوں میں جانے کی اجازت تھی اور وہ جہاں چاہتا وہاں جا سکتا تھا۔ جب اللہ تعالٰی نے مسیح علیہ السلام کا رفع سماوی فرمایا، اسکے بعد ابلیس کو چوتھے آسمان پر جانے سے روک دیا۔ جب نبی اکرم ﷺ کو معراج کروایا گیا، اس کے بعد ابلیس کو تمام آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا تھا۔ اب وہ محض کچھ باتیں سننے تک محدود ہو گیا تھا۔

خازن نے لکھا ہے کہ ایک روز اس نے حضرت ایوب پر بھیجی جانے والی ملائکہ کی دعاؤں کو سنا جو جناب باری تعالٰی میں حضرت ایوب کے ذکر خیر کی وجہ سے ہو رہی تھیں۔ انہیں سن کر شیطان کو حسد اور بغض لاحق ہو گیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر شیطان تلملایا اور تیزی سے آسمان پر چڑھا اور جہاں جایا کرتا تھا پہنچ گیا۔ اس نے اللہ رب العزت کے سامنے دست بستہ عرض کیا کہ یا اللہ، یہ جو کچھ ایوب کی ریاضت و عبودیت ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ تو نے اسے اپنی نعمتوں سے خوب نواز رکھا ہے۔ آج اگر تو ان کا مال و دولت چھین لے تو عنقریب تو دیکھے گا کہ ان کی یہ ساری عبادت و ریاضت ختم ہو جائے گی اور وہ بھی میری طرح ہی تیرے ناشکرے بن جائیں گے۔

خازن کے مطابق اللہ رب العزت کی بارگاہ سے اسے حضرت ایوب علیہ السلام کے مال پر اختیار دے دیا گیا۔ اس سے کہا گیا: "جاؤ، میں تمہیں ان کے مال پر تسلط دیتا ہوں۔" یہ اختیار ملتے ہی وہ تیزی سے نیچے آیا اور اس نے بڑے بڑے گرو گھنٹال شیطانوں کو جمع کر کے انہیں بتایا کہ ایوب کے مال پر اس کو اختیار مل گیا ہے، لہٰذا ان کا مال و اسباب بالکل نہیں کر دو اور انہیں بے سرو سامانی کی ایسی حالت میں پہنچا دو کہ غربت و افلاس کی وجہ سے وہ بھی خدا کے باغی اور سرکش بن جائیں، کیونکہ مال سے محرومی کا فتنہ بڑی مصیبت ہے اور اچھے اچھے لوگ اس پر صبر نہیں کر پاتے ہیں۔

اس کے بعد خازن نے حضرت ایوب کے مال و دولت کے فنا ہونے کے عجیب و غریب واقعات نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ حضرت ایوب کا سارا مال و جائیداد ختم ہو گیا اور ان کے قدموں میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی تو وہ پھر آسمان کی طرف گیا اور عرض کیا کہ "اے اللہ، ایوب تو بچ گئے لیکن مجھے ایک اور موقع عنایت ہو، اور اب کی بار مجھے ایوب کی اولاد پر بھی اختیار دیا جائے، اور اس بار تو وہ میرے حیلوں سے نہ بچ سکیں گے اور تجھ سے ضرور سرتابی کر ڈالیں گے"۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے اسے حضرت ایوب کی اولاد پر بھی اختیار دے دیا۔ پس اس نے اولاد پر وحشت و بربریت کی حد کر دی اور انہیں بری طرح ہلاک کر دینے کے بعد حضرت ایوب کے پاس آیا اور کہا: "اے ایوب! جو تباہی تیری اولاد پر آئی وہ بڑی لرزہ خیز تھی۔ وہ خون سے تربہ تر ہو گئے اور ان کے دماغ پھٹ کر سر سے باہر نکل آئے، ان کے پیٹ چاک کر دیے گئے اور انتڑیاں باہر بکھر گئیں۔ اے ایوب! یہ مناظر اگر تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو ہر گز برداشت نہ کر سکتے تھے۔" یہ سن کر حضرت ایوب دہاڑیں مار کر رونے لگے اور سر پر خاک ڈالی اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ کاش میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا اور میں یہ سب دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہتا۔ لیکن فوراً توبہ کر لی اور اس طرح شیطان لعین ایک بار پھر ذلیل و خوار ہو گیا۔ اس کے بعد شیطان پھر سے ذلیل و خوار ہو کر

تیسری بار رب کے حضور گڑگڑایا اور کہنے لگا: اے اللہ! مجھے ایوب کے جسم پر بھی اختیار عطا ہو۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایوب کے جسم پر بھی اختیار عطا کر دیا۔ البتہ ان کی زبان، دل اور عقل پر اسے اختیار نہیں دیا گیا۔ یہ اجازت پا کر وہ ایک بار پھر حضرت ایوب پر ٹوٹ پڑا۔ حضرت ایوب سجدے کی حالت میں تھے کہ وہ سامنے سے آیا اور آکر ان کے نتھنے میں ایسی پھونک ماری کہ پورا جسم دہک اٹھا اور آپ کے پورے جسم سے بکری کی مینگنی کی طرح کالے کالے گوشت کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے اور پورے جسم میں شدید کھجلی پیدا ہو گئی جو کسی طرح مٹتی نہ تھی۔

خازن کا کہنا ہے کہ وہ اس کھجلی کو لوہے کے کنگھوں اور نوکیلے پتھروں سے مٹاتے تھے جس سے ان کا گوشت مزید کٹ کٹ کر گرنے لگتا۔ ان زخمی مقامات سے سخت بدبو آنے لگی جس کی بنا پر بستی والوں نے انہیں بستی سے نکال کر باہر ایک کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیا اور پوری بستی والے ان سے متنفر ہو گئے۔ صرف اتنا کرم کیا کہ سر پر ایک سائے بان کھڑا کر دیا۔ اس حالت میں صرف ایک ان کی بیوی تھی جو برابر خدمت میں لگی رہی۔

پھر خازن نے لمبی بات ذکر کی ہے کہ کس طرح حضرت ایوب نے اپنے بعض دوستوں سے گفت و شنید کی اور کس طرح عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان پریشانیوں کو دور کرنے کی دعا کی اور جواب میں اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا اور کس طرح ان کی پریشانی کو دور کر دیا۔

اس کے بعد حسن، جو غالباً حسن بصری ہیں، کے واسطے سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ایوب مسلسل سات سال اور کچھ مہینوں تک اس ناگفتہ بہ حالت میں رہے کہ کیڑے ان کے زخموں میں رینگتے تھے اور ناسوروں سے سخت تعفن اٹھتا تھا۔ ان کی زوجہ محترمہ، جن کا نام رحمت تھا، کے علاوہ کوئی ان کے قریب بھی نہ جاتا تھا۔ اس دوران حضرت ایوب مسلسل صبر و رضا کے پیکر بنے رہے یہاں تک کہ شیطان بے قرار ہو گیا اور اس نے اپنے اعوان و انصار سے مشورہ کیا۔ چنانچہ وہ اب کی بار ان کی بیوی کے پاس ایک انسان کی شکل میں آیا اور پوچھا: "خاتون! تمہارا شوہر کہاں ہے؟" انہوں نے حضرت ایوب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ رہے جو اپنے زخموں کو کھجا رہے ہیں اور کیڑے جن کے جسم میں رینگ رہے ہیں۔ اب شیطان انہیں حضرت ایوب کے پرانے جسم، بال اور ماضی کی خوش حالی کے قصے سنانے اور مستقبل کے سہانے خواب دکھانے لگا۔ وہ مسلسل ان کے دل میں وسوسہ اندازی کرتا رہا یہاں تک کہ ان کی چیخ نکل گئی۔ ابلیس سمجھا چلو کام بن گیا۔ چنانچہ وہ ایک بکری کا بچہ لایا اور کہا کہ اگر ایوب اس بکری کے بچے کو میرے نام پر ذبح کر دیں تو فی الفور دوبارہ ان کی شان و شوکت بحال کر دی جائے گی، اور ان کے مال مویشی اور اولاد و احفاد سب واپس مل جائیں گے۔ چنانچہ وہ حضرت ایوب کے پاس التجا لے کر گئیں اور ان سے گزارش کی کہ اس بکری کے بچے کو شیطان کے نام پر ذبح کر دیں اور اس کے شر سے گلو خلاصی حاصل کر لیں۔ وہ کہتی تھیں: "کب تک آپ کا رب آپ کو اس عذاب میں مبتلا رکھے گا؟ کہاں ہے آپ کا مال، اولاد، دوست، وہ حسین رنگ، وہ توانا جسم؟"۔ حضرت ایوب یہ سن کر سخت برافروختہ ہو گئے اور فرمایا: "اس دشمن خدا نے مجھے بتلائے مصیبت کیا ہے اور جب مجھ پر قابو نہ پا سکا تو تمہارے ذریعے سے مجھے بھٹکا رہا ہے، اور تم ہو کہ اس کے پھندے میں اس طرح آ گئیں کہ سفارش لے کر سیدھی میرے پاس چلی آئیں۔ خدا کی قسم! اگر میں صحت یاب ہوا تو تمہیں سو کوڑے

ماروں گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنی بیوی کو جھڑک دیا۔

اس طرح خازن نے مزید پورے قصے کو بیان کیا ہے اور اشارہ تک نہیں کیا کہ یہ سارا قصہ کذب وافتراء پر مبنی ہے اور عقل و نقل دونوں اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اس روایت کا موضوع ہونا اظہر من الشمس ہے اور یہ زبردستی کتاب اللہ کی تفسیر میں ملادی گئی ہے[36]۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضرت ایوب نے سخت مشقت اور آزمائش کی زندگی گزاری، لیکن یہ بات عقل سے بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی جلیل القدر نبی کو اس قدر لاغر اور ذلیل بنادے کہ لوگ اس سے گھن کھانے لگیں اور اسے کوڑے کی ڈھیری پر ڈال آئیں۔ اس کا پورا جسم کوڑھ سے اس قدر بھر جائے کہ اس میں کیڑے رینگنے لگیں۔ اگر یہ سب باتیں صحیح مان لی جائیں تو نبی کا مقصد بعثت کس طرح پورا ہو گا جب کہ اس کی بیماری اس قدر گندی اور گھناؤنی ہو کہ لوگ اس کے قریب تک آنا پسند نہ کرتے ہوں؟ ایسے میں وہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ کس طرح انجام دے گا جس کے لیے اصلاً اس کی بعثت ہوئی ہے؟

نقلاً یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ علمائے حدیث نے اسے حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف تسلیم کیا ہے۔ از روئے شریعت بھی ہمیں پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو اس قدر دگرگوں حالت تک کبھی نہیں پہنچاتا۔ قرآن تو عام دنیاوی قائدین و پیشواؤں کے حق میں بھی کہتا ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ تمہارے رب نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنایا ہے۔ انہوں نے کہا: "ہمیں کیسے اس پر بادشاہی ہو گی جبکہ ہم اس سے زیادہ اس کے اہل ہیں اور اسے دولت کا کوئی وسیع حصہ نہیں دیا گیا؟" اس نے کہا: "یقیناً اللہ نے اسے تم پر منتخب کیا ہے اور اسے علم اور جسمانی قوت میں فراوانی عطا فرمائی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بادشاہی عطا کرتا ہے۔ اور اللہ وسیع اور جاننے والا ہے[37]۔

جب عام قائد کے بارے میں یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اسے جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں بہ درجہ اتم دی جاتی ہیں تو نبی کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ اس کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیر اس قصۂ ایوب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کا مرفوع ہونا انتہائی عجیب ہے اور یہ موقوف ہونے کے زیادہ قریب ہے[38]۔

اسی طرح علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں:

"بقالی کی **ھدایۃ المرید** میں ہے کہ انبیاء پر عوارضِ بشریہ وارد ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ حرام نہ ہوں، نہ مکروہ ہوں، نہ معیوب بنادینے والے ہوں، نہ مرضِ مزمن ہوں، نہ ایسی بیماریاں ہوں جن کی وجہ سے لوگوں میں تنفر پیدا ہوتا ہے، اور نہ ایسی بیماریاں ہوں کہ ہاتھ پاؤں سوکھ جائیں یہاں تک کہ آدمی کھڑا بھی نہیں ہو پائے، اور نہ برص، نہ جذام، نہ اندھا پن اور نہ جنون[39]۔"

اس سلسلے میں مقالہ نگاران کا خیال یہ ہے کہ حضرت ایوب کے سلسلے میں صرف وہی بیان صحیح ہے جو خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ وہ کسی سخت ذہنی یا جسمانی آزمائش میں مبتلا کیے گئے تھے اور وہ اس میں ثابت قدم رہے۔ باقی تفصیلات ان واضعین کی گھڑی ہوئی ہیں جو صحیح سندوں

کے ساتھ جھوٹی تفصیلات جوڑ دیا کرتے تھے اور اس کا عام اخبار میں سے ہونا بالکل ظاہر و باہر ہے۔

اختتام

یہ عام اخبار کی چند ایسی مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین کا ایک گروہ سنی سنائی حکایات اور قصص کو نقل کرنے کی کوشش میں جمہور کے اصول تحریف سے انحراف کا مرتکب ہوا ہے۔ ایسی سنی سنائی حکایات اور قصوں کے اعتبار سے سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر پر گہرے سلبی اثرات سامنے آئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیلیات یا مسلم معاشرے میں زبان زد عام باتوں میں ان حدود کی پابندی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جو عہدِ صحابہ میں ہمیشہ ملحوظ رہتی تھیں۔ بعد میں اعتدال کے دائرے سے تجاوز کرنے والوں نے ہر اس چیز کو تفسیر میں شامل کرنا شروع کر دیا جو اہلِ کتاب یا مسلم معاشروں کے غیر معتمد لوگوں میں مروج تھیں۔ لکھنے والوں نے ان باتوں کی صحت، جھوٹ یا سچ کی چھان بین نہیں کی۔ اس لیے کتب تفاسیر میں عام اخبار کے ذریعے متعدد من گھڑت قصے شامل ہو گئے۔ ان قصوں کے مصادر و مآخذ کا تا حال سراغ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ ان کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام انسان جب ان تفسیری کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ ان قصوں پر یقین کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ جو ان پر تنقیدی انداز میں سوچنا شروع کرتا ہے وہ نہ صرف ان من گھڑت باتوں کا انکار کر دیتا ہے بلکہ وہ ان تفاسیر کو مشکوک قرار دے کر ان میں موجود درست معلومات کو بھی مسترد کر دیتا ہے۔

یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ایسے مفسرین نے علمِ تفسیر میں دلچسپی رکھنے والوں کی راہ میں مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ انھوں نے من گھڑت اور غیر واقعی حکایات و روایات کے سبب متعدد احادیث اور قرآنی آیات کا انکار کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی تفاسیر زبان کی درستی، فصاحت و بلاغت اور حسنِ ترتیب کے معاملے میں کامیاب ہیں مگر عام اخبار کی وجہ سے ان کی شہرت اچھی خاصی داغ دار ہوئی ہے۔ اسی لیے مستند اہل علم ان تفاسیر کو قابل اعتماد مراجع میں شامل نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ایسی کتابوں کی اشاعت سے قبل ان میں موجود عام اخبار اور موضوعات کو نکال دیا جائے یا حاشیہ میں ان کی وضاحت کر دی جائے تاکہ ان کتابوں کی استناد میں اضافہ ہو سکے۔

ضروری امر یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کی تفسیر میں کوئی قصہ جب کسی صحابہ یا تابعی کی جانب منسوب ہوتا ہے تو محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ پوری چھان پھٹک کر کے معلوم کرے کہ صحابی یا تابعی کی جانب اس روایت کی نسبت درست اور صحیح ہے۔ ظاہر ہے کہ، اگر نبی اکرم ﷺ کی جانب من گھڑت روایات منسوب ہو رہی ہیں تو صحابی یا تابعی کا مقام آپ ﷺ سے یقیناً ادنی ہے۔ چنانچہ سند کی تلاش، اتصال کی یقین دہانی، راویوں کے عدول کی تسلی وغیرہ ایسے اصولوں کی روشنی میں متعلقہ روایت کے بارے میں تسلی کرنا ہر حال میں ناگزیر ہے۔

حوالہ جات

[1] ابن الندیم، الفہرست، تحقیق: ابراہیم رمضان، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، (1997ء) ص91

[2] پروفیسر حافظ قاسم رضوان، علم تفسیر اور مفسرین کرام، ماہانہ میثاق، لاہور، ستمبر 2021ء، ص82

[3] تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد حسین ذہبی، اسرائیلیات فی التفسیر والحدیث، مکتبۃ وہبۃ، قاہرہ، (س۔ن)، ص13

[4] تفصیل کے لیے دیکھیے: ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی، الکامل فی ضعفاء الرجال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، (1997ء/1418ھ) ج8، ص 492۔ راوی: 1975

[5] مولوی فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، مکتبہ حسن سہیل، لاہور، ص139

[6] نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ

ہم آپ کے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں اس وجہ سے کہ ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن وحی کے ذریعے نازل کیا اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھے (یوسف: 3)

[7] اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّ ہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ۚ فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ؕ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ ۚ وَ انۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ وَ لِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَ انۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُہَا ثُمَّ نَکۡسُوۡہَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ

یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لئے، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا، پھر اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (البقرہ: 259)

[8] صحیح بخاری، ح: 3461

[9] عنکبوت: 46

[10] ابن خلکان، وفیات الاعیان، دار الثقافۃ، بیروت، (1972ء)، ج2، ص568

[11] البقرہ: 248

[12] احمد بن محمد بن ابراہیم، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن (المعروف بہ "تفسیر ثعلبی")، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (2002ء)، ج1، ص215

[13] محمد رشید رضا، تفسیر المنار، الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، قاہرہ، (1990ء)، ج2، ص482

[14] ہود: 40

[15] تفسیر ثعلبی، ج4، ص7

[16] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف، بیروت، (1990ء)، ج1، ص112

[17] الشعرا: 26

[18] الکہف: 10

[19] تفسیر ثعلبی، ج4، ص121 تا 125

[20] ص: 35،36

[21] صحیح بخاری، ح: 3423

[22] اس نوعیت کے متعدد واقعات ثعلبی کی تفسیر میں مذکور ہیں۔ دیکھیے: تفسیر ثعلبی، ج4، ص140 تا 143۔ ج4، ص238 تا 241

[23] علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی، لباب التاویل فی معانی التنزیل، (المعروف بہ تفسیر خازن)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، (1994ء)، ج1، ص1

[24] الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث، ص209،208

[25] الکہف:18

[26] تفسیر خازن، ج3، ص160

[27] دیکھیے: حسین بن مسعود بغوی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن (المعروف بہ تفسیر بغوی) دار طیبہ للنشر والتوزیع، الریاض، (1997ء)، ج3، ص301 وبعد

[28] عماد الدین ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (المعروف بہ تفسیر ابن کثیر)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، (1998ء)، ج5، ص130 وبعد

[29] النمل:18

[30] تفسیر خازن، ج3، ص340 وبعد

[31] تفسیر ابن کثیر، ج6، ص164 وبعد

[32] الاعراف:78

[33] تفسیر خازن، ج2، ص221 وبعد

[34] البدایہ والنہایہ، ج2، ص31

[35] الانبیاء:84،83

[36] اس قصے کی تفصیلات سے متعلق دیکھیں تفسیر خازن، ج، ص234 وبعد

[37] البقرہ:247

[38] البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر: ج1، ص223

[39] شہاب الدین آلوسی، روح المعانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، (1994ء)، ج12، ص199

References

1. Ibn al-Nadim, Index, Research: Ibrahim Ramadan, Dar al-Ma'rifah, Beirut, Lebanon, (1997) p. 91
2. Professor Hafiz Qasim Rizwan, Science of Interpretation and Interpreters of the Qur'an, Monthly Charter, Lahore, September 2021, p. 82
3. For details, see: Muhammad Hussain Dhahabi, Israelite Interpretation and Hadith, Maktaba Wahbah, Cairo, (S.A.), p. 13
4. For details, see: Abu Ahmad Abdullah bin Adi al-Jurjani, Al-Kamil fi Dif'a al-Rijal, Dar al-Kuttab al-Ilmiyah, Beirut, (1997/1418 AH) vol. 8, p. 492. Narrator: 1975
5. Maulvi Faqir Muhammad Jahlami, Hadaaq al-Hanafiyya, Maktaba Hassan Suhail, Lahore, p. 139
6. Al-Yousuf: 3.
7. Al-Baqarah: 259
8. Sahih al-Bukhari, H: 3461
9. Spider: 46
10. Ibn Khallikan, Wafiyat al-A'yan, Dar al-Thaqafah, Beirut, (1972), Vol. 2, p. 568
11. Al-Baqarah: 248

12. Ahmad ibn Muhammad ibn Ibrahim, Al-Kashf wal-Bayan on Tafsir al-Quran (known as "Tafsir Tha'labi"), Dar Ihya' al-Turat al-Arabi, Beirut, (2002), Vol. 1, p. 215
13. Muhammad Rashid Reda, Tafsir al-Manar, Al-Hayat al-Masriya al-A'mat al-Kitab, Cairo, (1990), Vol. 2, p. 482
14. Hud: 40
15. Tafsir Tha'labi, Vol. 4, p. 7
16. Ibn Kathir, Al-Bidayah wal-Nihayah, Maktaba't al-Ma'arif, Beirut, (1990), Vol. 1, p. 112
17. Al-Shu'ara: 26
18. Al-Kahf: 10
19. Tafsir Tha'labi, Vol. 4, pp. 121-125
20. pp. 35, 36
21. Sahih al-Bukhari, H: 3423
22. Many incidents of this kind are mentioned in Tha'labi's Tafsir. See: Tafseer Thaalbi, Vol. 4, pp. 140 to 143. Vol. 4, pp. 238-241
23. Alaa al-Din Ali ibn Muhammad ibn Ibrahim al-Baghdadi, Labab al-Tawil fi Ma'ani al-Tanzil, (known as Tafsir Khazin), Dar al-Kutb al-Ilmiyyah, Beirut, (1994), vol. 1, p. 1
24. The Israelites in Tafsir and Hadith, pp. 208, 209
25. Al-Kahf: 18
26. Tafsir Khazin, vol. 3, p. 160
27. See: Husayn ibn Mas'ud Baghwi, Ma'alim al-Tanzil fi Tafsir al-Quran (known as Tafsir Baghwi), Dar al-Tayyiba for Publication and Distribution, Riyadh, (1997), vol. 3, p. 301 ff.
28. Imad al-Din Ibn Kathir, Tafsir al-Quran al-Azeem (known as Tafsir Ibn Kathir), Dar al-Kutb al-Ilmiyyah, Beirut, (1998), vol. 5, p. 130 ff.
29. An-Naml: 18
30. Tafsir Khazin, vol. 3, p. 340 ff.
31. Tafsir Ibn Kathir, Vol. 6, p. 164 ff.
32. Al-A'raf:78
33. Tafsir Khazin, Vol. 2, p. 221 ff.
34. Al-Bida'iyyah wal-Nihayyah, Vol. 2, p. 31
35. Al-Anbiya: 83,84
36. For details of this story, see Tafsir Khazin, Vol. 2, p. 234 ff.
37. Al-Baqarah:247
38. Al-Bida'iyyah wal-Nihayyah, Ibn Kathir: Vol. 1, p. 223
39. Shihab al-Din Al-Aloosi, Ruh al-Ma'ani, Dar al-Kutb al-Ilmiyah, Beirut, (1994), vol. 12, p. 199